جبر کے خاتمے کے لیے چیک لسٹ

The Checklist for Ending Tyranny

Peter Ackerman and Hardy Merriman

From the book: Is Authoritarianism Staging a Comeback?
Editors: Matthew Burrows and Maria J. Stephan
The Atlantic Council, Washington, DC — 2015
Translation: Ammar Zia and Mariam Azeem

TRANSLATOR'S NOTES

Please insert any helpful information about this translation here.

جبر کے خاتمے کے لیے چیک لسٹ

از : پیٹر ایکرمین اور ہارڈی میریمین

دورِ حاضر میں دنیا کے مہلک ترین تنازعات ریاستوں کے درمیان نہیں، بلکہ ریاستوں کے اندر پائے جاتے ہیں۔ جابروں کو ریاست عوام، جنھیں وہ ظلم کا نشانہ بنانا چاہتی ہے، کے خلاف استعمال کرتی ہے۔ یہ بات بڑے پیمانے پر تسلیم کی جاتی ہے کہ ان مظلوم آبادیوں کے پاس دو ہی راستے ہوتے ہیں: اس امید پر جبر کے آگے جھک جائیں کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ کم ہو جائے گا یا آزادی کے حصول کے لیے پُر تشدد بغاوت شروع کر دیں۔ لیکن اس محدود زاویۂ نظر کو یہ حقیقت باطل قرار دیتی ہے کہ عوامی مزاحمت کی تحریکات (جنھیں بعض اوقات "عوامی طاقت" کی تحریکات یا تشدد سے پاک تنازعات بھی کہا جاتا ہے) عمومی تاثر سے کہیں زیادہ کثرت سے وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ 1900ء سے، اوسطاً ہر سال عوامی مزاحمت کی ایک بڑی تحریک برپا ہوئی ہے جس نے برسرِ اقتدار حکمران کو چیلنج کیا ہو۔[1] عوامی اقتدا میں چلنے والی یہ تحریکات 1972ء سے بیشتر اہم جغرافیائی-سیاسی تنازعات کے حل اور جمہوری تبدیلیوں کا موجب بنی ہیں۔[2] لیکن تاحال پالیسی ساز، اسکالر، صحافی حضرات اور دلچسپی رکھنے والے دیگر مبصرین کی جانب سے تشدد کا راستہ اپنائے بغیر جبر کے خاتمے اور حقوق کے حصول کے لیے عوام کی اس قابلیت کو مسلسل غیر اہم سمجھتے ہیں۔

ایک تجزیاتی باریک نکتہ

2011ء میں تیونس اور مصر، اور حال ہی میں 2014ء میں یوکرین کی بغاوتیں اس امر کی مثال ہیں کہ نچلی سطح پر عوامی مزاحمت اپنی طاقت اور تبدیلی کی قوت سے لوگوں کو کس طرح حیرت زدہ کر سکتی ہیں۔ کسی کو ان بغاوتوں کے اٹھنے کا اندازہ تک نہیں تھا، لیکن اسی بات نے انھیں کہیں زیادہ منفرد بنا دیا۔ بہت ہی کم لوگوں کو سربیا (2000ء)، جورجیا (2003ء)، اور یوکرین (2004ء) میں آنے والے "انقلاباتِ رنگی" (Color Revolutions) کا اندازہ تھا۔ ایک دہائی قبل، کسی کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ منظّم غیر متشدد مزاحمت فلپائنی آمر فرڈیننڈ مارکوس (1986ء)، چِلّی کے آمر آگستو پنوشے (1988ء)، پولینڈ میں سوویت راج (1989ء)، یا جنوبی افریقا میں نسل پرست حکومت (1992ء) کے خاتمے میں فیصلہ کن کردار ادا کرے گی۔

ان تحریکات اور ان جیسے دیگر تشدد سے پاک تنازعات کی وضاحت کرنے کی کوشش میں، عالمی اور مقامی ماہرین عموماً یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ عوامی مزاحمت کے یہ کامیاب واقعات تاریخی بے قاعدگیاں ہیں جن کا پیش آنا مخصوص وقت میں مخصوص ملک کے منفرد حالات پر منحصر ہے۔ ان حرکیات کو واقعات سے مخصوص کر کے دیکھے جانے کے باعث، انھیں ایسی عمومی حکمتِ عملی کے ثبوت کے طور پر اہمیت نہیں دی جاتی جس کے ذریعے آبادی وسیع نوعیت کے جابروں کے خلاف اثر و رسوخ استعمال کر سکتی ہے۔ البتہ، دنیا بھر کے جابر اس تاریک نکتے کے جھانسے میں نہیں آتے۔ انھیں اچھی طرح اندازہ ہے کہ عوامی طاقت کی تحریکات ان کی مستقل حکمرانی کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔

گزشتہ دہائی کے دوران غیر متشدد تنازعات کے بڑھتے ہوئے واقعات کے پیشِ نظر' جمہوری تبدیلی کے حامیوں کے لیے یہ بے حد اہم ہے کہ وہ عوامی طاقت کی تحریکات کی کامیابی کے اسباب سے متعلق اپنا فہم بہتر بنائیں۔ متعدد مختلف واقعات میں غیر متشدد تنازعے کے کارآمد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دو بنیادی حقیقتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے: پہلی یہ کہ استبدانہ حکومتیں اپنا اختیار برقرار رکھنے کے لیے اپنی ماتحت آبادی میں بڑے پیمانے پر فرمانبرداری پر انحصار کرتی ہیں' اور دوسری یہ کہ ایسی حکومتوں میں ہر شخص یکساں وفادار نہیں ہوتا۔

شہری مزاحمت کا طریقہ کار

ان دو حقائق کی بنیاد پر' جابرانہ نظام کو انتشار کا شکار کرنے اور حقوق' آزادی' اور انصاف کے حصول کے لیے عوامی مزاحمت کار آبادی کو متحرک کرتے ہیں کہ وہ اطاعت سے دستبردار ہو جائے اور ہڑتالوں' بائیکاٹوں' احتجاجی مظاہروں وغیرہ جیسی تدابیر کے ذریعے غیر متشدد دباؤ بڑھاتے ہیں۔ جب عوامی مزاحمت میں لوگوں کی شرکت متنوع ہو اور اس میں اضافہ ہوتا رہے تو بحالیِ امن کے لیے مزاحمت کاروں کے خلاف جابرانہ اقدام اکثر ناکافی ثابت ہوتے ہیں' بلکہ اس صورت میں بیک فائر کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

جوں جوں انتشار بڑھتا ہے' حکومت اور ریاست کے لیے اہمیت کے حامل دیگر اداروں (مثلاً پولیس' فوج' میڈیا' اور سیاسی' بیوروکریسی اور اقتصادی اداروں) میں بھی دراڑیں پڑتی نظر آنے لگتی ہیں۔ یہ دراڑیں اکثر لوگوں کے منحرف ہونے کا سبب بنتی ہیں' اور جوں جوں انحراف بڑھتا ہے' تو وہ بنیادی صلاحیتیں مفلوج ہو جاتی ہیں جن پر آمر کی حکمرانی کا انحصار ہوتا ہے' جیسے کہ مادی وسائل' افرادی قوت' عوام کی مہارت اور علم' معلومات کی دنیا' اور فرمان جاری کرنے کی صلاحیت پر اختیار۔ جب احکامات کو نافذ العمل کرنے والی چین آف کمانڈ ہی باقی نہیں رہتی' تو آخرکار غاصب فرمانرواؤں کے پاس راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور مستقل غیر متشدد دباؤ کے سامنے وہ اپنا عہدہ چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ اکثر مکمل تبدیلی کی صورت میں نکلتا ہے۔

مہارتیں بمقابلہ حالات

عوامی مزاحمت کے بڑھتے ہوئے واقعات اور اثرات کے پیشِ نظر' اس کے نتائج پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا جائزہ لینا اہمیت کا حامل ہے۔ کیا تنازع کی ابتدا سے قبل کے حالات طے کرتے ہیں کہ فتح تحریک کی ہو گی یا استبدادیت کی؟ یا کسی بھی فریق کی فتح کا انحصار اس کی حکمتِ عملی کے انتخاب اور مہارتوں پر ہوتا ہے جو وہ تنازع کی مد میں اپناتے ہیں؟

عالمی مرکز برائے غیر متشدد تنازع/International Center on Nonviolent Conflict (کہ ہم جس کا ایک حصہ ہیں) کے مشن کا ایک مشکل پہلو اس موقف کی حمایت کرنا ہے کہ تحریک کے خطِ پرواز اور نتائج طے کرنے میں حالات سے زیادہ مہارتوں کی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ نکتہ عموماً خاصا دھچکا دیتا ہے' خصوصاً جب مخالف کی تشدد کا راستہ اپنانے پر آمادگی زیرِ بحث ہو۔ باقاعدگی سے یہ جملہ دہرایا جاتا ہے کہ ''تشدد سے پاک مزاحمت صرف نرم یا معتدل مخالف کے خلاف ہی کام آتی ہے''' لیکن یہ کہتے ہوئے جنوبی افریقا میں نسل پرست حکومت' چلی میں پنوشے' فلپائن میں

مارکوس' یا پولینڈ میں اشتراکی حکومت کی شکست کو بآسانی بھلا دیا جاتا ہے۔ مصر میں حسنی مبارک اور تیونس میں بن علی اس کی حالیہ مثالوں میں سے ہیں۔ ان میں سے کسی حکومت کو معتدل' نرم یا شدید تشدد کے استعمال سے گریز کرنے والا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ان معیاری (qualitative) مثالوں کی توثیق مقداری (quantitative) تجزیوں سے ہوتی ہے۔ 2008ء میں فریڈم ہاؤس نامی تنظیم نے ایک تحقیقی مطالعہ پیش کیا جس میں 1975ء سے 2006ء کے درمیان استبدانہ حکومتوں کے خلاف 64 واقعات میں متعدد ساختی عوامل اور عوامی مزاحمت پر ان کے اثرات کا جائزہ لیا گیا تھا۔ اس کی کلیدی اختتامیے سے ایک اقتباس درج ذیل ہے :

> ۔۔۔ مطالعے میں جائزہ لیے گئے سیاسی یا ماحولیاتی عوامل کا عوامی مزاحمتی تحریکوں کی کامیابی یا ناکامی پر اعداد و شمار کے اعتبار سے کوئی خاطر خواہ اثر نہیں پایا گیا۔۔۔ ترقی یافتہ' دولت مند معاشروں کے مقابلے میں کم ترقی یافتہ' معاشی طور پر بدحال ممالک میں عوامی تحریکوں کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ تحقیق کے دوران' مربوط عوامی مخالفت کے ابھرنے کے امکانات میں نسلی یا مذہبی رجحانات کا کوئی بڑا عمل دخل نہیں دیکھا گیا۔ نہ ہی پذیرائی کے حصول کے لیے عوامی تحریک کی صلاحیت پر طرزِ حکومت کا کوئی اہم اثر و رسوخ پایا گیا۔[3]

مطالعے کے دوران جائزہ لیے گئے عوامل میں سے واحد پہلو' جس کا عوامی مزاحمتی تحریک کے ظہور اور نتائج پر اعداد و شمار کی رو سے خاطر خواہ اثر پایا گیا' وہ حکومت کی مرکز گیری (centralization) تھی۔ مصنّفین لکھتے ہیں :

> مطالعہ تجویز کرتا ہے کہ انتہائی درجے کی مرکز گیری اور حکومتی اختیار کو چیلنج کرنے کی صلاحیت کی حامل طاقتور عوامی تحریک کے ابھرنے کے درمیان مثبت تعلق ہوتا ہے۔ اس کا متضاد بھی درست دکھائی دیتا ہے : حکومت کی غیر مرکزیت جس قدر زیادہ ہو گی' کامیاب منظّم عوامی تحریک کے ابھرنے کا امکان اتنا ہی کم ہو گا۔[4]

چنانچہ' جہاں تحقیق سے ایک ایسی ماحولیاتی شرط' جو عوامی مزاحمت کی تحریکوں کے خطوطِ پرواز پر اثر انداز ہوتی ہے' سامنے آئی' وہیں مجموعی نتائج نے سختی سے ایسے دعوے رد کر دیے کہ ایسے تنازعات کے نتائج حالات طے کرتے ہیں۔

تین سال بعد' اپنی 2011ء کی انعام یافتہ کتاب ' Why Civil Resistance Works: The Strategic Logic of Nonviolent Conflict' (عوامی مزاحمت کیوں کارآمد ثابت ہوتی ہے : غیر متشدد تنازع کی حکمتِ عملی کے دلائل) میں' فاضل ایریکا شینوویتھ اور ماریا اسٹیفن نے 323 متشدد اور غیر متشدد تحریکات کا گہرائی سے جائزہ لیا جنھوں نے 1900ء سے 2006ء کے درمیان برسرِ اقتدار حکومتوں کو چیلنج کیا تھا۔[5] ان کی گہری کھوج سے ظاہر ہوا کہ متشدد تحریکات 26 فیصد مرتبہ' جبکہ غیر متشدد تحریکات 53 فیصد مرتبہ کامیاب ہوئیں۔[6] انھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ ریاستی جبر اور دیگر ساختی عوامل عوامی مزاحمت کی تحریک کی کامیابی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں (اگرچہ عمومی مفروضے کے مقابلے میں ایسا کم ہی ہوتا ہے ــ متشدد ریاستی جبر کی بات کی جائے تو اس کی شرح کامیابی محض 35 فیصد تک کم ہوتی ہے)' تاہم انھیں ایسی ساختی شرائط کا ثبوت نہیں ملا جو تحریک کے نتائج طے کرتی ہوں۔[7] ڈیٹا کے تفصیلی تجزیے کے بعد' انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ''شواہد تجویز کرتے ہیں کہ

عوامی مزاحمت زیادہ کامیاب ہوتی ہے' خواہ حالات جو بھی ہوں جبکہ بیشتر افراد غلط طور پر معروضی حالات کو غیر متشدد تحریکات کی ناکامی کے ساتھ منسلک کرتے ہیں۔"[8]

عوامی مزاحمت سے متعلق مروجہ سمجھ بوجھ جن غلط مفروضوں پر انحصار کرتی ہے' یہ نتائج ان کا پردہ چاک کرتے ہیں۔ ایسے تنازعات کا انجام طے کرنے میں اکثر حالات سے زیادہ مہارتیں اور حکمتِ عملی کا انتخاب اہمیت رکھتا ہے۔ درحقیقت ہمارا اس بات پر غور کرنا حیران کن نہیں کہ جبر کے مخالفین کی جانب سے حکمتِ عملی پر مبنی پہلا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ مقابلہ کیسے کیا جائے۔ یہ توقع رکھنا بالکل بجا ہے کہ اگر نتائج طے کرنے میں خارجی حالات کا کلیدی کردار ہو تو جبر کو چیلنج کرنے والے لوگوں کی جانب سے مقابلے کے طریقہ کار کا اسٹریٹجک انتخاب معنی نہیں رکھتا' اور وقتاً فوقتاً متعدد واقعات میں متشدد اور غیر متشدد تنازعات کے درمیان کامیابی کی شرح یکساں ہو سکتی ہے۔

لیکن ڈیٹا سے ایسا ظاہر نہیں ہوتا۔ 1900ء سے 2006ء کے درمیان عوامی طاقت کی تحریکات نسبتاً دگنی کامیاب رہی ہیں' اور حالیہ کیس اسٹڈیز سے ظاہر ہوتا ہے کہ کامیابی کی شرح میں فرق بڑے پیمانے پر تبدیل نہیں ہوا ہے۔[9] بعض لوگ بڑے وثوق سے یہ کہہ کر اس پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ عوامی مزاحمت کار ایسی جنگوں کا ہی انتخاب کرتے ہیں جنھیں جیتنا آسان ہو' لیکن شینو ویتھ اور اسٹیفن کے لیے یہ اعتراض متوقع تھا' اور انھوں نے ظاہر کیا کہ "۔۔۔ غیر متشدد تحریکات کی بڑی تعداد استبدانہ حکومتوں میں ابھری۔۔۔ جہاں حکومت کی پُر امن مخالفت کا نتیجہ بھی تباہ کن ہو سکتا تھا۔[10]

تقریباً پچاس سال قبل ایک کتاب "عوامی مزاحمت بحیثیت قومی دفاع: غیر متشدد اقدامات بمقابلہ جارحیت" (Civilian Resistance as a National Defense: Nonviolent Action against Aggression) میں' نوبیل انعام یافتہ معاشیات دان' تھامس شیلنگ نے اپنے ایک مضمون میں اسے بالکل درست بیان کیا تھا۔ انھوں نے اختتام یوں کیا تھا:

> جابر اور اس کی رعایا قدرے یکساں حالت میں ہوتے ہیں۔ وہ اکثر اس کی مرضی کو انکار کر سکتے ہیں۔ لیکن اسی صورت میں کہ جب اس کی رفاقت سے انکار کرنے کے لیے وہ منظّم ہوں۔ اور وہ بھی ان کی تقریباً ہر خواہش کو انکار کر سکتا ہے ۔ اور وہ ایسا کرنے کے لیے اپنے اختیار میں موجود طاقت کا استعمال کر سکتا ہے۔۔۔ یہ سودا کرنے والی ایک کیفیت ہوتی ہے جس میں ہر فریق' اگر وہ منظّم اور ہم آہنگ ہو' دوسرے کی بیشتر خواہشات کو انکار کر سکتا ہے؛ اور پھر یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کون جیتتا ہے۔[11]

شیلنگ کے مطابق' عوامی مزاحمت کاروں کی جانب سے چنی جانے والی تدابیر کے اپنے فوائد و نقصانات ہوتے ہیں' اور یہی حال ان کے جابر مخالف کا ہوتا ہے۔ جیت اس فریق کی ہوتی ہے جو ان فوائد و نقصانات کو اپنے حامیوں کے لیے بہتر طور پر تقسیم کرتا ہے۔ ماہر عوامی مزاحمتی رہنما وہ ہوتا ہے جو مخالفت کو زیادہ سے زیادہ رکھنے کے لیے انتشار پھیلانا چاہتا ہے' اور تدابیر کو ایسی عمدگی سے اپنانا چاہتا ہے کہ نسبتاً کم انتشار بھی بڑے پیمانے پر مخالفت کا سبب بنے۔ ماہر آمریت پسند کو اطاعت کا نفاذ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے' جو اکثر تشدد کے ذریعے ہوتی ہے' اور وہ چاہتا ہے کہ کم سے کم تشدد کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اطاعت حاصل کی جا سکے۔ مخالفت بمقابلہ اطاعت کا مجموعی میزان طے کرتا ہے کہ کون جیتا۔

چیک لسٹ

اگر عوامی مزاحمتی تحریکوں کے نتائج پر مہارتیں اور حکمتِ عملی کا انتخاب نمایاں اثر انداز ہو تو ہمیں متعدد تحریکوں میں ایسی مشترک صلاحیتوں، مہارتوں اور ترجیحات کی شناخت کرنے کے قابل ہونا چاہیے جو کامیابی کی مشترک صفات تشکیل دیتی ہیں۔ کسی تحریک کے کئی پہلوؤں کا جائزہ لیا جاسکتا ہے، لیکن جب ہم متغیرات (variables) کی کثیر تعداد کا معائنہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کامیاب عوامی مزاحمتی تحریکات کی تین بنیادی صفات یہ ہوتی ہیں :

1. عوام کو متحد کرنے کی قابلیت
2. عملی منصوبہ بندی
3. غیر متشدد نظم

جب عوامی مزاحمتی تحریک میں یہ تین صفات موجود ہوں تو یہ تین طاقت ور رجحانات واضح کرنے کے لیے میدان تیار کرتی ہیں جو تحریک کی کامیابی میں بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ رجحانات درج ذیل ہیں :

1. عوامی مزاحمت میں عوام کی شرکت میں اضافہ
2. جبر و تشدد کے اثر کو کم کرنا، اور بیک فائر میں اضافہ
3. تحریک کے مخالفین میں مخالفت ترک کرنے کے عمل میں اضافہ

مجموعی طور پر، ہم ان تین صفات اور تین رجحانات کو 'چیک لسٹ' کہتے ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ ان صفات اور رجحانات کے حصول کی صورت میں کسی تحریک کی کامیابی کے امکان میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں 'چیک لسٹ ایسا کوئی فارمولا نہیں ہے جو کسی نتیجے کی ضمانت دیتا ہو، بلکہ ایک فریم ورک ہے جو لوگوں کو ان کی سوچ کو منظّم کرنے اور ان کی اثر پذیری کو بہتر بنانے میں مدد کرتا ہے۔

اس حد تک، 'چیک لسٹ کا ایک کام بے سمت ہونے کے احساس کا خاتمہ کرنا ہے جو تنازع کے دوران پیش آسکتا ہے۔ کسی بھی عوامی مزاحمتی تحریک کے لیے سب سے بڑے چیلنجوں میں سے ایک 'پیچیدگی' ہے، اور تنازع کی دھند میں اس بات کا ادراک مشکل ہو سکتا ہے کہ فیصلہ سازی میں کون سے عوامل سب سے زیادہ اہم ہیں۔ ہم وثوق سے کہتے ہیں کہ اگر کوئی کارکن یا بیرونی مبصر کسی تحریک کے خاکے کی جانچ کرنا چاہتا ہو، تو یہ سوال کہ آیا چیک لسٹ کی یہ تین صفات اور تین رجحانات موجود ہیں یا نہیں، تحریک کی موجودہ حالت، طاقت، کمزوریوں، اور کامیابی کے امکانات کے تعین میں مضبوط بنیاد فراہم کرے گا۔

ہم چیک لسٹ کی وضاحت ذیل میں کر رہے ہیں :

1- عوام کو متحد کرنے کی قابلیت

آمر حکمران 'تقسیم کرو اور حکومت کرو' کے اصول کے استعمال میں ماہر ہوتے ہیں، اور انھیں چیلنج کرنے والوں میں اتحاد قائم کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ اتحاد قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے کئی پہلو ہوتے ہیں، لیکن ایسا کرنے میں اوّلین پہلو عوامی مزاحمتی تحریک کے لیے ایک مشترکہ اور جامع نظریہ تشکیل دینا ہوتا ہے۔ اس کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ تحریک کے منتظمین کو ان مختلف لوگوں کے شکووں، خواہشوں، ثقافت، اور اقدار بخوبی علم ہو، جنھیں وہ منظّم کرنا چاہتے ہیں۔ یہی علم بڑے پیمانے پر حمایت حاصل کرنے اور لوگوں کو منظّم کرنے والے نظریے کی تشکیل اور ابلاغ کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ موثر نظریوں میں ذاتی تجربات اور عام افراد کے جذبات کی گونج ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو اجتماعی عوامی مزاحمت میں شرکت کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔

اتحاد کے قیام میں ایک اور اہم پہلو درست قیادت اور تنظیمی ڈھانچے کی موجودگی ہے۔ تحریکوں میں شراکت رضاکارانہ ہوتی ہے، اور اسی لیے عوام کے اجتماع پر رہنماؤں کی باضابطہ کمان یا اختیار نہیں ہوتا۔ گویا تحریک میں فیصلے اس طرح سے لیے جانے اور ان پر عمل درآمد کروایا جانا چاہیے کہ جن لوگوں کو متحرک کیا جا رہا ہے، وہ ان فیصلوں کو درست محسوس کریں۔ ایسا کرنے کے لیے، ہر تحریک اپنا راستہ خود بناتی ہے — بعض زیادہ حسبِ مراتب کے اعتبار سے، بعض زیادہ غیر مرکزی انداز سے، اور بعض وقتاً فوقتاً دونوں کے امتزاج سے۔ تحریک کی حقیقی قیادت اور تنظیمی ڈھانچے سے قطع نظر، تحریکوں میں قیادت کی کئی اقسام ہوتی ہیں، اور انھیں ہم آہنگ رکھنا اتحاد کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ہر نام نہاد یا کرشماتی قومی رہنما کے لیے، ایسے کئی مقامی رہنما موجود ہوتے ہیں جن کا مختلف گروہوں کے درمیان اتفاق، مذاکرات، اور مجموعی مفادات کے فروغ کے لیے انتہائی طاق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یہ مختلف گروہوں کی نمائندگی کرنے والے، ملک کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے، مختلف سطحوں کے (مقامی یا قومی)، مختلف رہنماؤں کی قابلیت ہوتی ہے کہ وہ مل کر اس طرح کام کریں کہ اتحاد طویل مدت تک برقرار رہے۔

جنوبی افریقا میں 1980ء کی دہائی میں نسل پرست مخالف تحریک کے دوران عوامی مزاحمت میں اتحاد کے ان دونوں پہلوؤں کے استعمال کا مظاہرہ دیکھا جا سکتا ہے۔ اس دہائی کے دوران، سیکڑوں مقامی شہری گروہوں نے جہاں صاف پانی اور سہولیات تک رسائی جیسے بلدیاتی مطالبات کی وکالت کی، وہیں ساتھ ہی نسلی امتیاز ختم کرنے اور قومی مفاہمت کے حصول کے لیے مشترکہ نظریے کے تحت متحد بھی رہے۔ یہ شہری گروہ یونائیٹڈ ڈیموکریٹک فرنٹ میں ضم ہو گئے، اور ان کے اپنے مقامی رہنما تھے جو مقامی مسائل کے حل کے لیے غیر مرکزی تدابیر (مثلاً صارفین کے بائیکاٹ) کی موثر قیادت کے ساتھ ساتھ، نسبتاً بڑے تنظیمی ڈھانچوں اور قومی تحریک کی قیادت کے ساتھ بات چیت کرنے اور مل کر کام کرنے کے قابل بھی تھے۔

2. عملی منصوبہ بندی

موثر عوامی مزاحمت جاری رکھنا عمومی تاثر سے کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ عوامی مزاحمت کا تصور کرنے سے لوگوں کے دماغ میں احتجاج کی تصویر آتی ہے، تاہم حقیقت یہ ہے کہ یہ سیکڑوں دستیاب حکمتِ عملیوں میں سے صرف ایک ہے۔ موثر ترین تحریکیں واقف ہوتی ہیں کہ کس حکمت عملی کا

انتخاب کیا جائے' کب' کہاں' کیسے اور کس کی جانب سے اسے شروع کیا جانا چاہیے' اس کا ہدف کیا ہونا چاہیے' اور دیگر کون سی حکمتِ عملیوں میں سے اس کا تسلسل جاری رکھنا چاہیے۔

ان سوالات کا جواب دینے کے لیے تحریک اور مخالف کی صلاحیتوں' کمزوریوں' مواقع' اور خطرات کے تفصیلی جائزے پر مبنی خاطر خواہ منصوبہ بندی درکار ہوتی ہے' نیز تنازع کے ماحول اور غیر جانب دار یا غیر وابستہ جماعتوں (بشمول عالمی برادری کے ارکان) کا تعین بھی ضروری ہوتا ہے جو تنازع پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ ان معلومات کے ساتھ' تحریکیں موثر مختصر' درمیانی' اور طویل مدتی مقاصد طے کر سکتی اور ان کے مطابق عملی منصوبے تشکیل دے سکتی ہیں۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً یہ منصوبے (دیگر تمام منصوبوں کی طرح) زمینی حالات کے پیشِ نظر ارتقائی مراحل طے کرتے ہیں' تاہم تحریک کے شرکا کے لیے منصوبہ بندی کا عمل اور طرزِ فکر کی تشکیل کسی مخصوص منصوبے کی تشکیل سے زیادہ اہم ہے۔

اتفاقی طور پر' تنازع میں عملی منصوبہ بندی میں ہمیں مہارتوں اور حالات کا واضح ترین دوراہا دکھائی دیتا ہے۔ تحریک کو درپیش موافق اور ناموافق حالات کی جانچ عملی منصوبہ بندی کی بنیاد ہوتی ہے۔ تب تحریک موافق حالات سے فائدہ اٹھانے' اور ناموافق حالات پر مہارتوں اور حکمتِ عملی کے انتخاب کی مدد سے قابو پانے' بدلنے' یا ان پر بازی لے جانے کی منصوبہ بندی کرتی ہے۔

عملی منصوبہ بندی کی ایک واضح مثال 1980ء کی دہائی میں پولینڈ میں یک جہتی تحریک کے دوران دیکھنے میں آئی۔ اپنی طاقت اور صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے' کارکنوں نے آزاد ٹریڈ یونینوں کے لیے ایک مضبوط اور سیاسی اعتبار سے حقیقت پسندانہ مطالبہ پیش کیا (لیکن خود کو اس وقت کے ناقابلِ حصول مقصد' یعنی اشتراکی حکومت کے خاتمے کے مطالبے سے باز رکھا)؛ مزدوروں کو منظّم کرنے اور اپنے مخالف کے معاشی عدم تحفظ اور بلاجواز ہونے جیسی کمزوریوں کے خلاف مختلف کارکنوں کے درمیان یک جہتی کے فروغ پر اپنی توجہ مرکوز رکھی؛ اور اپنی جائے کار پر قبضہ کر کے ہڑتال کی موثر تدبیر کا انتخاب کیا (بجائے اس کے کہ وہ اپنی جائے کار چھوڑ کر باہر چلے جاتے' جیسا کہ انھوں نے ابتدائی سالوں میں کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں وہ جبر و تشدد کے خلاف غیر محفوظ ہو گئے تھے)۔ کارکنوں کی جانب سے متبادل اداروں پر انحصار واستعمال کے ذریعے اسے تقویت دی' جن میں خصوصاً چھاپہ خانے اور آزاد جریدے شامل تھے جو گزشتہ دہائی کے دوران دو شہروں کے درمیان ابلاغ میں معاونت کے لیے تشکیل دیے گئے تھے۔ حکمتِ عملی کا مقصد' مناسب ہدف' اور اپنی استعداد کے مطابق مناسب تدابیر (کام سے ہڑتال اور متبادل اداروں کا استعمال) کا انتخاب کرتے ہوئے' یک جہتی تحریک نے موثر طریقے سے تنازع کی فضا کی راہ متعین کی' ناموافق حالات پر قابو پایا' اور اپنے حتمی مقصد یعنی جمہوری پولش ریاست کے قیام کی طرف قدم بڑھایا۔ یہ مقصد 1989ء میں حاصل ہوا۔[12]

3۔ تشدد سے پاک نظم

اشتعال انگیزی کے باوجود عدم تشدد پر کاربند رہنا مزاحمت کاروں کی قابلیت ہوتی ہے' اور عدم تشدد پر مبنی نظم (ڈسپلن) کو برقرار رکھنا عوامی مزاحمت کی عملی حرکیات (فنکشنل ڈائنامکس) کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ تشدد سے پاک نظم کے ساتھ' تحریکیں شہریوں کی شرکت کو بڑھاتی ہیں' مخالف کے جبر و تشدد کے مصارف میں اضافہ کرتی ہیں' جبر کے بیک فائر کرنے کے امکان کو روشن کرتی ہیں' اور مخالف کی حمایت کے اہم ستونوں

کو اس کی حمایت ترک کرنے کی ترغیب دینے کی غالب صلاحیت رکھتی ہیں۔ جیسے کہ شینو ویتھ اور اسٹیفن کی تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے، یہ فوائد پُر تشدد اور عدم تشدد پر مبنی مزاحمتی تحریکوں کے درمیان کامیابی کی شرح نمایاں کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔[13]

عدم تشدد پر مبنی نظم کے حصول کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ تحریکیں اس بارے میں پُر اعتماد ہوں کہ ان کے تنازعے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے عوامی مزاحمت ایک موثر ذریعہ ہے۔ اس ضمن میں، عوامی مزاحمت کے کام کا طریقہ کار اور اس کے تاریخی ریکارڈ کے ساتھ ساتھ، موثر حکمتِ عملی کے بارے میں معلومات معاون ثابت ہو سکتی ہے، جو وقتاً فوقتاً اضافی فتوحات کی بنیاد رکھتی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ عوامی مزاحمت واقعی کارآمد ہوتی ہے۔ تحریکیں تشدد سے پاک نظم برقرار رکھنے کے لیے ایسی تہذیب اور معیارات بھی قائم کرتی ہیں جو اسے تقویت پہنچاتے ہوں۔ مثال کے طور پر، سربیا میں سلوبودان میلوشویچ کو عہدے سے معزول کرنے والی اوٹپور تحریک، جس نے نئے اراکین کو یہ سمجھانے کے لیے باقاعدہ تربیت دی کہ عوامی مزاحمت کیسے کام کرتی ہے اور عدم تشدد پر کاربند رہنا کیوں ضروری ہے۔

ایسی کوششوں کو عدم تشدد پر کاربند رہنے سے متعلق اخلاقی دلائل دینے کے لیے تحریک کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ تشدد سے پاک نظم کے عملی فوائد لوگوں کو خود ایک دوسرے میں پختہ کرنے چاہییں۔ ایسے میں ان واقعات کو یاد رکھا جانا چاہیے (جن کی حالیہ دردناک مثال مصر ہے) جہاں بے صبری یا عوامی مزاحمت پر اعتماد میں کمی نے پُر تشدد طریقے اپنانے کو قبول کر لیا جن کے تباہ کن نتائج واضح تھے۔

4۔ عوامی مزاحمت میں عوام کی بڑھتی ہوئی شرکت

اگرچہ اس میں دو رائے ہو سکتی ہے، لیکن تحریک کی کامیابی کی پیش گوئی کرنے کا واحد سب سے بڑا ذریعہ عوامی مزاحمت میں عوام کی بڑی تعداد کی شرکت ہوتی ہے۔[14] یہ بات یوں بھی قابلِ فہم لگتی ہے کہ جتنے زیادہ لوگ ایک آمر پر اتفاق اور اس کی اطاعت سے منھ موڑیں گے، وہ آمر اتنا ہی کمزور ہوتا جائے گا، اور ان لوگوں پر اختیار برقرار رکھنے کا خرچہ بھاری پڑتا جائے گا۔ علاوہ ازیں، ہمارا ماننا ہے کہ عوام کی شرکت میں اضافہ جبر کے بیک فائر کرنے کے امکانات بھی بڑھاتا ہے، اور کمیتی (quantitative) شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کی بڑی تعداد میں شرکت سے مخالف کے حامیوں میں منحرف ہونے کا عمل انجام پانے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔[15]

بڑے پیمانے پر عوامی شرکت کی اہمیت کی مثال یوں دیکھیے کہ مصر اور تیونس میں 2011ء کے انقلابات نے آبادی کے مختلف گروہوں —مردوں اور عورتوں؛ مذہبی اور سیکیولر گروہوں؛ نوجوان، ادھیڑ عمر، اور بوڑھے لوگوں؛ نچلے اور متوسط طبقے کے مزدوروں؛ اور شہری اور دیہاتی آبادیوں کو وسیع حمایت پر اُکسایا۔ اس کے برعکس، چین میں 1989ء کی طلبا تحریک اور 2009ء میں سبز تحریک نے لاکھوں لوگوں کو متحرک تو کیا اور خبروں میں جگہ بھی بنائی، لیکن اپنے بیان کردہ مقاصد میں سے کوئی مقصد حاصل نہ کر سکیں، کیونکہ وہ اپنی ابتدائی آبادیاتی بنیاد سے بڑھ کر بڑے پیمانے پر عوامی شرکت کو شامل نہیں کر سکیں۔

عوامی مزاحمت میں عوام کی بڑی تعداد میں شرکت کے ہدف کا حصول چیک لسٹ کے ابتدائی تین نکات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایک متحد نظریہ لوگوں میں یکجہتی اور جوش و خروش پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ عملی منصوبہ بندی سے اعتماد پختہ ہوتا ہے۔ خطرات برداشت کرنے کا مادہ، وقت کی دستیابی، اور تحریک کے لیے قربانی کی سکت مختلف لوگوں میں مختلف ہوتی ہے، اور عملی منصوبہ بندی ان سب کے حسبِ حال تدابیر کی ترتیب فراہم

کرتی ہے۔ ایک موثر حکمت عملی غریبوں، امیروں، جوانوں، بوڑھوں، اور دیگر تمام لوگوں کو تحریک کی حمایت میں کچھ نہ کچھ، کم یا زیادہ، کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ عدم تشدد پر مبنی نظم یقینی بناتا ہے کہ ہر ایک اس میں اپنا حصہ شامل کر سکتا ہو (مسلح مزاحمت کے برعکس جس میں صرف اہل افراد ہی حصہ لے سکتے ہیں) اور عدم تشدد پر مبنی اقدامات معاشرے کے وسیع طبقات کے لیے زیادہ کشش رکھتے ہیں۔

5۔ جبر کے اثرات میں تخفیف کرنا اور بیک فائر میں اضافہ کرنا

جبر کرنے کی استعداد، استبدادی حکومتوں کا سب سے طاقتور ہتھیار ہوتا ہے، اور موثر تحریکیں یہ سیکھتی ہیں کہ کس طرح جبر پر آنے والی لاگت کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ اس کے اثرات کو کم سے کم رکھا جائے۔ ایسا کرنے کے لیے ایک طریقہ خطرے کی درست جانچ اور مناسب حربے کا انتخاب ہے کیونکہ تمام حربوں کو جبر کے یکساں خطرات لاحق نہیں ہوتے۔ جہاں عوامی مظاہروں جیسے مرکزی اقدامات کے لیے جبر کا سامنا کرنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، وہیں صارفین کی جانب سے بائیکاٹ کرنے، گھر میں رہ کر ہڑتال کرنے، اسکول سے بیماری کی چھٹی لے لینے، یا عوامی مقامات پر گمنام رہتے ہوئے معمولی علامات نمایاں کرنے جیسے غیر مرکزی اقدامات حکومت کے لیے جبر کرنا زیادہ مشکل بنا دیتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ بعض حربوں (مثلاً اشیائے صَرف کے بائیکاٹ) میں شامل لوگ واضح نہیں ہوتے (آپ محض کسی کو دیکھ کر یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کسی مصنوعات کا بائیکاٹ کر رہا ہے یا نہیں) یا مرتکب افراد منتشر ہوتے ہیں اور تردید کرنے کی حالت میں ہوتے ہیں (مثلاً گھر پر رہ کر ہڑتال کرنے میں پولیس کو ہر کارکن کے گھر جانا ہوگا اور بیماری کا بہانہ کرنے والے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ اس دن واقعی بیمار ہیں)۔

1983ء میں چلی میں، آمر آگستو پنوشے کے سیاسی مخالفین کو اس کے جبر کو جھانسا دینے کا راستہ تلاش کرنا تھا۔ ایک دہائی تک عوامی گرفتاریوں، پھانسیوں، تشدد اور گمشدگیوں کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ منظّم یا مجتمع ہونے سے خوفزدہ تھے۔ اپریل میں، تانبے کے کان کنوں نے سانتیاگو سے باہر ہڑتال کا اعلان کیا، لیکن ہڑتال شروع ہونے کے مقررہ وقت سے قبل ہی پنوشے نے کانوں کے ارد گرد اپنی فوج بھیج کر خون ریزی کی دھمکی دی۔ ایسے جبر کے سامنے، مزدور رہنماؤں نے ہڑتال کا اعلان واپس لیا اور اس کی بجائے قومی یومِ احتجاج کا اعلان کیا جس میں حکومت کے خلاف احتجاج کرنے والے ہر شخص نے سست رفتاری سے کام کرنا تھا، سست رفتاری سے چلنا تھا، سست رفتاری سے گاڑی چلانی تھی، اور رات آٹھ بجے ہانڈیوں اور کڑاہیوں کو ٹکرانا تھا۔[16] خوف کی فضا کو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے والا یہ پہلا بڑا قدم تھا جو پنوشے کی حکمرانی کے لیے پہلا پتھر ثابت ہوا۔ ان اقدامات میں شرکا کے لیے قابلِ قبول حد تک معمولی خطرہ تھا اور اسے قابو نہیں کیا جا سکتا تھا — پنوشے کی مسلح افواج کے پاس ایسے بڑے پیمانے پر پھیلے ہوئے غیر مرتکز حربوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

جبر کے اثرات کم کرنے، یا اس کی لاگت اور بیک فائر کے امکانات میں اضافہ کرنے کے دیگر پہلوؤں میں غیر سیاسی نوعیت کی حقیقی شکایات کو نمایاں کرنا (مظاہرین کا حکومت کے خاتمے کے مطالبے کی بجائے، صاف پانی اور محفوظ گرد و نواح کا مطالبہ کرنا)، قیادت کی جانشینی کا واضح خاکہ پیش کرنا، اور تحریک کے شرکا اور مقامی و عالمی گروہوں کے درمیان سماجی رابطے استوار کرنا شامل ہیں، تاکہ تحریک کے خلاف جبر کے بیک فائر کرنے کا امکان زیادہ ہو۔ مثال کے طور پر، جب مصری بلاگر خالد سعید کو 2010ء میں انٹرنیٹ کیفے سے باہر نکالا گیا اور کرپشن بے نقاب کرنے پر مسلح افواج کی جانب سے قتل کر دیا گیا، تو مخالف فیس بک گروپ 'ہم سب خالد سعید ہیں' (We are All Khaled Said) نے سعید کی زندگی

کو داغ دار کرنے کی کوشش کا مقابلہ کیا۔ اپنی موجودگی سے، انھوں نے واضح کر دیا کہ سعید ہر عام مصری جیسا شخص تھا، اور یہ عمل بیک فائر کی وجہ بنا۔

6۔ تحریک کے مخالفین کو منحرف کرنے میں اضافہ کرنا

عوامی مزاحمت جوں جوں بڑھتی جاتی ہے، یہ اکثر مخالفین کے سرگرم اور غیر سرگرم حامیوں کو وفاداری بدلنے اور منحرف ہونے کی ترغیب دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، حکومت میں موجود اصلاح پسندوں اور سخت گیروں کے درمیان اپنے اختیارات کے لیے کھلے عام ایک دوسرے سے کھینچا تانی شروع ہو سکتی ہے۔ معاشی مفادات تحریک کے مطالبات پورا کرنے کے لیے ریاست پر دباؤ ڈال سکتے ہیں تاکہ کاروبار واپس آ جائے۔ حکومتی ادارے جیسے کہ سپاہی، پولیس، نوکر شاہی، اور دیگر کی وفاداریاں بھی تبدیل ہونا شروع ہو سکتی ہیں۔ اس کی وجہ ان کا تحریک کے مطالبات سے متاثر ہونا، حکومت سے نفرت کرنا بھی ہو سکتا ہے یا ان کے خاندان کے افراد اور دوستوں کا عوامی مزاحمت میں شامل ہونا بھی۔ حتیٰ کہ حکومت سے ہمدردی رکھنے والی اشرافیہ بھی اس خطرے سے کہ اگر عوامی مزاحمت کامیاب ہو جاتی ہے تو وہ تاریخ میں غلط فریق کے ساتھ کھڑی نظر نہ آئے، حکومت کے استحکام سے متعلق شکوک و شبہات کا شکار ہو کر غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کر سکتی ہے۔

2004ء میں یوکرین کے اورنج انقلاب میں، منحرفین نے دانستہ طور پر مسلح افواج کے ساتھ رابطے کے ذریعے ڈھونڈے، اور درمیانی واسطے کے لیے ریٹائرڈ افسران کے گروہوں پر انحصار کیا۔[17] وقت کے ساتھ، حزبِ اختلاف نے اپنے اقدامات سے خود کو عدم تشدد پر کاربند اور معقول ثابت کیا؛ عوامی مفاد کی خدمت اور حفاظت کے لیے مسلح افواج کو دعوت دی؛ بھائی چارے، نعروں، اور اقدامات (مثلاً ظالم پولیس کو گلاب کے پھول دینے) سے معاشرتی فاصلوں کے درمیان پُل قائم کیا؛ برسر اقتدار حکومت کی کرپشن کا انکشاف کیا؛ اور بالآخر مسلح افواج کے درمیان وفاداریاں تبدیل کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ جب جبر کا سامنا کرنے کا وقت آیا تو بہت سے یوکرینی سپاہی اور پولیس والے غیر جانبدار رہے۔ ایسی ہی صورتحال سربیا میں میلوشویچ کے دور میں پیش آئی۔ کھلے عام منحرف ہوئے بغیر، مسلح افواج نے محض جوش و خروش کے ساتھ حکومتی احکامات ماننے سے انکار کر دیا۔ اوٹپور تحریک کے 5 اکتوبر کو ڈرامائی موڑ لینے پر، بلگریڈ مجمع کے اوپر ہیلی کاپٹر سے کیمیائی مادہ پھینکنے کے ذمہ دار پولیس افسر نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ موسم صاف نہ ہونے کے باعث اسے مجمع واضح نظر نہیں آ رہا تھا، حالانکہ اس دن دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ بعد ازاں، اس نے اظہار کیا کہ اسے ایسا لگا کہ یہ حکم نہیں ماننا چاہیے کیونکہ اس دن مظاہرین میں اس کے اپنے گھر والے بھی شامل ہو سکتے ہیں۔[18]

تو محرک خواہ ترغیب ہو یا ذاتی مفاد، عوامی مزاحمتی تحریک کے اثرات کا طویل المیعاد نتیجہ ایسے انحرافات کی صورت میں نکلتا ہے۔ گزشتہ دو چیک لسٹ رجحانات کی طرح، یہ رجحان بھی تحریک میں اتحاد، منصوبہ بندی اور تشدد سے پاک نظم سے ہی ابھرتا ہے۔ ڈیٹا سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے پیمانے پر متنوع شمولیت اور انحراف کے امکانات بڑھنے کے درمیان باہمی ربط ہوتا ہے، اور اتحاد، منصوبہ بندی، اور تشدد سے پاک نظم، یہ تمام وسیع اور متنوع لوگوں کی شمولیت میں کردار ادا کرتے ہیں۔ بالخصوص، تشدد سے پاک نظم انحراف کی ترغیب دینے کے لیے اہم ہوتا ہے۔ جب تک تحریک تشدد سے پاک رہتی ہے اور (2011ء کے دوران سربیا کے افسوس ناک واقعے کی طرح) خود کو پُر تشدد بغاوت میں بدلنے سے باز رکھتی ہے، تب تک تحریک ایک مزید دن جدوجہد کر کے زندہ رہ سکتی ہے اور انحراف کے امکانات کھلے رکھ سکتی ہے۔ اگر کسی حکومت کے اندر وفاداریاں تبدیل

کرنے کے اہداف کو مسلح بغاوت کے وجود کا خطرہ نہیں ہوگا تو ان کے انحراف کا امکان استبدادی حکومت کی طاقت کے ڈھانچے کے لیے مستقل خطرہ بنا رہے گا۔

خارجی عناصر پر اطلاق

یہ چیک لسٹ صرف منحرفین ہی کے لیے مفید نہیں ہے۔ دیگر افراد بھی اسے استعمال کرتے ہوئے ایسے تنازعات سے متعلق اپنی کارکردگی بہتر بنا سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر، یہ چیک لسٹ صحافیوں کو عوامی مزاحمت پر زیادہ توجہ سے رپورٹنگ کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ اگر صحافی کسی تنازع میں معاملہ فہم ادراک رکھنا چاہتے ہیں تو چیک لسٹ اوائل 2014ء میں کیئیو (Kieve) میں مولوٹو کوک ٹایل کے جلتے ہوئے ہدف کے سامنے نامہ نگار کو کھڑا کرنے کا اشارہ دے گی تا کہ وہ اندازہ لگا سکے کہ تشدد خواہ کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو جائے، وہ تنازع میں قوت کی حامل طاقتوں کو

اگر صحافی کسی تنازع میں معاملہ فہم موقف قائم کرنا چاہتے ہیں تو چیک لسٹ انھیں تجویز کرتی ہے کہ اوائل 2014ء میں کیئو (Kieve) میں مولوٹو کا کٹیل کے جلتے ہوئے ہدف کے سامنے نامہ نگار کو کھڑا کرنا کہ وہ یہ اندازہ کرسکے کہ کیا تشدد کی یہ لہر مزید زور پکڑے گی، تنازع میں قوت کی حامل طاقتوں پر روشنی نہیں ڈالتا۔ بلکہ تحریک کے اتحاد اور منصوبہ بندی کی صورتِ حال، تشدد سے پاک نظم میں ٹھہراؤ کے ماخذات، عوامی شرکت میں اضافے، تحریک پر جبر کے گھٹتے ہوئے اثرات، اور انحراف کی بات تو ایک طرف، کیا مسلح افواج مکمل طور پر احکامات کی تعمیل کریں گی یا نہیں، یہ نکات بہتر تجزیہ فراہم کرتے ہیں۔ اس میں کاروباری برادری کی کھوئی ہوئی حمایت کا پہلو بھی شامل کرلیں تو یہ واضح ہو جائے گا کہ بدترین حکومتی تشدد کے بیک فائر ہونے کے چند گھنٹوں بعد، رواں سال 21 فروری کو یوکرینی صدر یونو کووچ کیوں فرار ہو گئے۔ اگر کوئی شخص درست اشاروں کو پہلے ہی بھانپ لے تو ایسے واقعات کی پیش گوئی کرنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔

اگر 2011ء کی دوسری ششماہی میں پالیسی سازوں نے غور کیا ہوتا تو چیک لسٹ انھیں شام میں اسد کی حکومت کے خلاف عوامی مزاحمت کی فتح کے لیے بہترین مواقع کا اشارہ کرتی۔ حکومت سے دور ہوتی فوج میں وفاداریوں کا مسلسل تبدیل ہونا (جو صرف سنّی سپاہیوں تک محدود نہیں رہا) فتح کی مضبوط امید کے طور پر دیکھا جاسکتا تھا۔ کاروباری برادری کے ارکان کی جانب سے حمایت کھو دینا بھی ایک اور اشارہ تھا۔ اس روشنی میں، اوائل 2012ء میں اسد کی باقی ماندہ علوی فوج سے لڑنے کے لیے فری سیرین آرمی کی حوصلہ افزائی کو کسی المیے کی جھلک کے طور پر دیکھنے کی بجائے، جوابی تعمیری قدم کے طور پر دیکھا جانا چاہیے تھا۔

یہ چیک لسٹ خصوصاً علاقائی آبادی کی تحریکوں کے لیے بیرونی معاونت پر اختیار رکھنے والے معیارات کی تشکیل میں مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر، چیک لسٹ میں پہلی تین قابلیتیں مہارت سے متعلق ہیں اور معلومات کے بھرپور تبادلے کے ذریعے ان میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ قومی منشور برائے انسانی حقوق کی شق 19 کے تحت، جابر حکمران اپنی سرحدوں سے باہر معلومات کے بہاؤ پر پابندی نہیں لگا سکتے یا معلومات منحرفین تک

پہنچانے والے شہریوں کو سزا نہیں دے سکتے۔ چیک لسٹ میں موجود تمام چھ نکات ٹیکنالوجی کے جدید طریقوں سے متعلق فکر کے راستے بھی کھول سکتے ہیں جو ان تین قابلیتوں اور تین رجحانات کی نشو و نما میں معاونت کر سکتے ہیں۔

چیک لسٹ اور ہمارا مستقبل تشکیل دینے والے تنازعات

وہ حالات جن میں تشدد سے پاک تنازعات کی جنگ لڑی جاتی ہے، پیچیدہ ہوتے ہیں اور عوامی مزاحمت کار — جنھیں فتح کے لیے سلسلہ وار حربے بالترتیب اپنانے کے لیے نچلی سطح پر ربط کی ضرورت ہوتی ہے، اکثر بے سمتی کے احساس سے دوچار ہوتے ہیں۔ لوگوں کی زندگیوں اور داؤ پر لگی آزادی سے متعلق غلط فیصلے کرنے کا فطری خوف انھیں غیر سرگرمِ عمل کر سکتا ہے جو جابر حکمران چاہتا ہے، اور جابر کے ناقابلِ شکست ہونے کے فریب کو بڑھا سکتا ہے۔

یہ چیک لسٹ مختلف الرائے لوگوں کے بے سمتی کے احساس کا خاتمہ کرتے ہوئے انھیں آگے بڑھنے کی راہ دکھا سکتی ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اتنے سارے تغیرات (variables) کے پیشِ نظر، جبر کے خاتمے کے لیے ایک چیک لسٹ کچھ زیادہ ہی سادہ چیز ہے، اور مستقبل کے تنازعات کے دوران مشکل فیصلہ سازی کی جانچ کے لیے اُس وقت اور مقام کے مطابق منفرد عوامل پر نمایاں توجہ درکار ہو گی۔

تاہم، چیک لسٹ یہ نہیں کہتی کہ صورتحال کے مطابق مخصوص عوامل کو نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ ایک وسیع اسٹریٹجک فریم ورک کے سیاق و سباق میں ان عوامل کو سمجھنے کی بات کرتی ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوامی مزاحمت کیسے اور کیوں جیت سکتی ہے۔ اتل گواندے، جنھوں نے دیگر کئی مختلف تناظر میں چیک لسٹ کی اہمیت پر تحقیق کی ہے، لکھتے ہیں:

ہمارے تصورات سے کہیں زیادہ کاموں میں ناکامی سے بچاؤ کے لیے، چیک لسٹیں بظاہر ہر ایک، حتیٰ کہ تجربہ کاروں کا بھی دفاع کر سکتی ہیں۔ یہ ایک قسم کا شناسا جال فراہم کرتی ہیں۔ یہ ہم سب میں ودیعت کردہ ذہنی نقائص کو پکڑتی ہیں، اور ان میں یادداشت اور توجہ اور کاملیت کے نقائص شامل ہیں۔[19]

حقیقی پیچیدگی سے بھرے حالات میں، جہاں درکار معلومات ہر ایک فرد اور غیر متوقع تسلط سے بڑھ جاتی ہے۔۔۔[موثر چیک لسٹیں] یقینی بناتی ہیں کہ اکتاہٹ بھرے مگر ضروری معاملات نظر سے چوک نہ جائیں، اور۔۔۔ یقینی بناتی ہیں کہ لوگ نازک اور غیر متوقع چیزوں کو بہتر طور پر طے کرنے کے لیے آپس میں بات چیت اور ہم آہنگی رکھیں۔[20]

ضروری نہیں کہ چیک لسٹ حتمی اشارہ کر سکے کہ کون غالب آئے گا: جابر یا عوامی مزاحمت کار۔ البتہ، چیک لسٹ ایک تنقیدی اور متواتر اشاروں کے مجموعے کے طور ضرور استعمال ہو سکتی ہے جس سے یہ سمجھنے میں مدد مل سکے کہ آزادی کا مطالبہ کرنے والے شہری کس طرح استبدادانہ نظام کی مورچہ بندی پر غالب آ سکتے ہیں۔

اینڈ نوٹس

[1] ایریکا شینو ویتھ اور ماریا اسٹیفن کی تحقیق کے مطابق، جنھوں نے 1900ء سے 2006ء کے دوران دنیا بھر کے مختلف ممالک اور علاقوں میں حکومت کی تبدیلی کی خواہش مند 105 عوامی مزاحمتی تحریکوں کی شناخت کی۔

شینو ویتھ، ایریکا، اور ماریا اسٹیفن۔ 2001ء۔ Why Civil Resistance Works: The Strategic Logic of Nonviolent Conflict (عوامی مزاحمت کیوں کارآمد ثابت ہوتی ہے: غیر متشدد تنازع کی حکمتِ عملی کے دلائل)۔ نیو یارک: کولمبیا یونیورسٹی۔ ص 6۔

[2] NAVCO 1.1 کا ڈیٹا درج ذیل ربط پر دستیاب ہے:

https://www.du.edu/korbel/sie/research/chenow_navco_data.html

[3] تحقیقی جائزے How Freedom is Won: From Civic Resistance to Durable Democracy (آزادی کیسے جیتی: عوامی مزاحمت سے پائیدار جمہوریت تک) میں 1972ء سے 2005ء کے دوران 67 جمہوری تبدیلیوں کے جائزے پر مبنی۔ مصنفین لکھتے ہیں: کثیر قومی ریاستوں کے حصے بخرے ہونے سے لے کر جن ممالک میں آمرانہ نظام کے خاتمے اور/یا نئی ریاستوں کے نمودار ہونے سے تبدیلیوں کا آغاز ہوا، وہاں ایسی تبدیلیوں کے 67 میں سے 50 واقعات میں، یا 70 فیصد ممالک میں ان تبدیلیوں کا بنیادی عنصر عوامی مزاحمت کی طاقت تھی۔ ایسے 50 ممالک جہاں عوامی مزاحمت مرکزی حکمتِ عملی رہی (مثلاً ایسے ممالک جہاں تبدیلیوں کا عمل عوامی طاقتوں کے ذریعے آگے بڑھا یا ایسے ممالک جہاں عوامی طاقتوں اور صاحبِ اختیار طبقے، دونوں کے نمایاں کردار کے امتزاج سے تبدیلی عمل میں آئی)، ان میں سے کوئی آزاد ملک نہیں تھا، 25 ممالک جزوی آزاد تھے، اور 25 غیر آزاد ممالک تھے۔ آج [2005ء میں]، ان تبدیلیوں کے کئی سال بعد، ان میں سے 32 ممالک آزاد ہیں، 14 جزوی آزاد ہیں، اور صرف 4 غیر آزاد ممالک ہیں۔

ایکرمین، پیٹر، اور ایڈرین کراٹنیکی۔ 2005ء۔ How Freedom is Won: From Civic Resistance to Durable Democracy (آزادی کیسے جیتی: عوامی مزاحمت سے پائیدار جمہوریت تک)۔ واشنگٹن، ڈی سی: فریڈم ہاؤس۔ ص 6 تا 7۔

[4] ایضاً، ص 1۔

[5] شینو ویتھ، ایریکا، اور ماریا اسٹیفن۔ 2001ء۔ Why Civil Resistance Works: The Strategic Logic of Nonviolent Conflict (عوامی مزاحمت کیوں کارآمد ثابت ہوتی ہے: غیر متشدد تنازع کی حکمتِ عملی کے دلائل)۔ نیو یارک: کولمبیا یونیورسٹی۔ ص 6۔

[6] ایضاً، ص 9۔

[7] ایضاً، ص 68۔

[8] ایضاً، ص 62۔

[9] شینو ویتھ، ایریکا۔ 2014ء۔ Trends in Civil Resistance and Authoritarian Responses (عوامی مزاحمت میں رجحانات اور آمروں کے ردِ عمل)۔ دی اٹلانٹک کونسل فیوچر آف اتھاریٹیرنزم پروجیکٹ۔ اپریل 2015ء۔

[10] شینوویتھ، ایریکا، اور ماریا اسٹیفن۔ 2001ء۔ Why Civil Resistance Works: The Strategic Logic of Nonviolent Conflict (عوامی مزاحمت کیوں کارآمد ثابت ہوتی ہے: غیر متشدد تنازع کی حکمتِ عملی کے دلائل)۔ نیو یارک: کولمبیا یونیورسٹی۔ ص 66۔

[11] تھامس سی۔ شیلنگ۔ 1968ء۔ "Some Questions on Civilian Defense" (عوامی دفاع پر چند سوالات)، مشمولہ: ایڈم رابرٹس، ایڈیٹر، Civilian Resistance as a National Defense: Non-violent Action Against Aggression (عوامی مزاحمت بطور قومی دفاع: غیر متشدد اقدام بمقابلہ جارحیت)۔ ہیرس برگ، پی اے: اسٹیک پول بکس۔ ص 304۔

[12] ایکرمین، پیٹر، اور جیک ڈوویل۔ 2000ء۔ A Force More Powerful: A Century of Nonviolent Conflict (ایک زیادہ طاقتور قوت: تشدد سے پاک تنازعات کی صدی)۔ لندن: سینٹ مارٹنز پریس/ پیل گریو میک ملن۔ ص 113 تا 174۔

[13] شینوویتھ، ایریکا، اور ماریا اسٹیفن۔ 2001ء۔ Why Civil Resistance Works: The Strategic Logic of Nonviolent Conflict (عوامی مزاحمت کیوں کارآمد ثابت ہوتی ہے: غیر متشدد تنازع کی حکمتِ عملی کے دلائل)۔ نیو یارک: کولمبیا یونیورسٹی۔ ص 30 تا 61۔

[14] ایضاً، ص 30 تا 61۔

[15] ایضاً، ص 46 تا 49۔

[16] A Force More Powerful (ایک زیادہ طاقتور قوت)۔ ڈائریکٹر۔ اسٹیو یارک۔ یارک زیمرمین۔ 2000ء۔ فلم۔

[17] بینںڈیک، اینکا لوکے، اور ایوان مارووِیک۔ 2006ء۔ Power and Persuasion: Nonviolent Strategies to Influence State Security Forces in Serbia (2000) and Ukraine (2004)۔ (طاقت اور ترغیب: سربیا (2000ء) اور یوکرین (2004ء) میں ریاستی مسلح افواج پر اثرانداز ہونے والی تشدد سے پاک حکمتِ عملیاں)۔ کمیونسٹ اینڈ پوسٹ کمیونسٹ اسٹڈیز 39، شمارہ 3 (ستمبر)۔ ص 411 تا 429۔

[18] نیبوسا چوویک کے ساتھ انٹرویو، ویسرنی نووستی، 2 اکتوبر 2010ء۔

[19] گوانڈے، اتل۔ 2009ء۔ The Checklist Manifesto: How to Get Things Right (چیک لسٹ منشور: معاملات درست کیسے رکھیں جائیں)۔ نیو یارک: پکاڈور، ص 47۔

[20] ایضاً، ص 79۔